چشتی صوفیاء کی تعلیمات اور عزاداری حسینؑ

ڈاکٹر محمد تعظیم ☆

صوفیاء کی اصلی راہ اعمال نفس کا محاسبہ ہے اور ذوق وشوق کی ان وجدانی کیفیات سے گفتگو ہے، جو مجاہدات سے حاصل ہوتی ہیں۔ بقول شیخ علی ہجویری ''تصوف نفسانی لذتوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔ یہ حق تعالیٰ کی صفت ہے جس سے بندہ بقا پاتا ہے۔تصوف نیک خصلت کا نام ہے۔ جو شخص جس قدر بھی اچھے اخلاق رکھتا ہے وہ سب سے بہتر صوفی ہے''۔[۱] امام جعفر صادقؑ کے بقول ''جو شخص اخلاق رسولؐ سے آراستہ ہوجائے اور اس امر کو اختیار کرے جو رسولؐ نے اختیار فرمایا اور رغبت کرے اس طرف جدھر رسولؐ نے فرمائی اور پرہیز کرے اس سے جسے رسولؐ نے چھوڑا تو گویا اس نے صفائے قلب حاصل کیا''۔[۲] اور قرآن کریم کا ارشاد ہے'' خاص بندگان الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے ان سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو''۔[۳]

دراصل محبت ہی راز حیات ہے اور اس کی آگ اگر دل میں نہ ہو تو وہ گوشت کا ایک بے جان ٹکڑا ہے۔محبت کے معنی یہ ہیں کہ انسانی زندگی سمٹ کر ایک نقطہ پر آجائے اور خدا کے لئے جینا مقصد حیات ہو۔فکروعمل کی بلندی، راست بازی، خدمت خلق، سچائی اور صبر وشکر جیسی خوبیاں اسی جذبہ کا نتیجہ ہیں، جو دل انسانی میں خدا کی محبت پیدا ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔اور پھر مطمح نظر یہ ہوجاتا ہے کہ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے اور دیگر لوگوں کو بھی مادی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک وصاف کرے اور یہ کام بقول خلیق احمد نظامی ''صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کا مذہبی وجدان پوری طرح نشوونما پاچکا ہو، جس کی روح پر اسلامی رنگ چڑھ چکا ہو اور جس کی نگاہ حق و باطل میں امتیاز کرنے میں کبھی دھوکہ نہ کھائے''۔[۴] واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے حصول علم کو فرض

☆ لیکچرر تاریخ، جامعہ سینڈری اسکول، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

۱۔ شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب، مترجم مولوی فیروز الدین، لاہور ۲۰۰۳، ص ۴۹ ۲۔ سید محمد عزیز الدین حسین، تاریخ عہد وسطیٰ، دہلی ۲۰۰۳، ص ۲۰۱ ۳۔ القران، سورہ الفرقان، آیت ۶۳ ۴۔خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، دہلی ۱۹۸۵ء، ص ۲۳

قرار دیا ہے لیکن علم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مزید محنت و ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی محنت و ریاضت کے بعد علم کی تفسیر و تعبیر کی مثال ہمیں صوفیاء کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔ صوفیاء کے تمام سلسلے حضرت علیؑ کو شیخ طریقت مانتے ہیں۔

مسلمانوں میں تصوف کا رجحان اسی وقت سے شروع ہوگیا تھا جب اسلام ایک منضبط دین کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ مگر جب اسلامی حکومت موروثی ملوکیت میں تبدیل ہوگئی اور مسلم معاشرہ مادّی آسائشوں کا شکار ہوگیا تب تصوّف اس کے خلاف خاموش احتجاج کی شکل میں ایک مسلک کے طور پر اسلام کے دفاع میں سامنے آیا۔

جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ نہروان اور بعدہٗ حادثہ کربلا نے اسلامی نظام اور معاشرے کا نہ صرف شیرازہ بکھیر دیا بلکہ حکومت اور معاشرے میں ایک ناقابل عبور خلیج بھی پیدا کردی جس کو پاٹنے کی اشد ضرورت تھی اور یہ کام صرف صوفیاء ہی کر سکتے تھے کیونکہ اسلام کی ترویج و اشاعت مختلف النوع جغرافیائی معاشروں میں ہو رہی تھی۔

حادثہ کربلا جو محرام الحرام کے مہینہ میں پیش آیا، جس میں خانوادۂ رسولؐ کے افراد کو انتہائی بے رحمی و سفاکی کے ساتھ تپتی ریت پر شہید کردیا گیا تھا۔ اس واقعہ نے مسلمانوں کے سنجیدہ و متین افراد کو اس نظام سیاست و ملک گیری سے الگ رہنے پر مجبور کردیا تھا، انھوں نے اس ملوکانہ نظام کے خلاف اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خاموش احتجاج جاری رکھا جس کے خلاف سب سے بلند آواز حضرت امام حسینؑ نے اٹھائی تھی اور اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ جانوں کی قربانی دے کر اسلامی روح کو زندہ رکھا تھا۔ صوفیاء نے ان کی قربانیوں اور تعلیمات کو زندہ رکھنے کے لیے نہ صرف ان کی اشاعت و ترویج کی بلکہ اس قربانی کو عزاداری کے ذریعہ زندہ رکھا اور لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوشش کی۔

عزاداری امام حسینؑ کی بنیاد قرآن کریم کی آیت: "قل لااسئلکم علیه اَجراً اِلا الْمَودَة فی القربیٰ"۱ (کہہ دیجیے کہ میں تم سے اجر طلب نہیں کرتا بجز اس کے کہ میرے قرابت داروں سے مودّت کرو پر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ بیتؑ اور اقارب نبی کریمؐ کی محبت و تعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم و واجب ہے اور جزو ایمان ہے۔ ان سے محبت رکھنا حقیقت میں حضورؐ کی محبت پر

۱۔ القرآن، سورہ شوریٰ، آیت ۲۳

مبنی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ائمہ اہلِ بیت، علماء و مشائخ کبار اور اولیاء کے گروہ ابرار نے محرم میں امام حسینؑ کی مظلومانہ اور جگر خراش شہادت کے ذکر اور ان کے مصائب کے بیان کو خلاصۂ اعمال خیر مانا ہے اور اسے برتا بھی ہے۔ شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی نے اپنی عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے۔

گر حب علی و آل بتولت نبود امید شفاعت ز رسولت نبود

در طاعت حق جملہ بجا آوری تو بے مہر علی ہیچ قبولت نبود[1]

کیونکہ بقول شخصے، محرم شمشیر پر خون کی فتح کا مہینہ ہے۔ ''محرم وہ مہینہ ہے جبکہ عدالت ظلم کے سامنے اور حق باطل کے مقابل اٹھ کھڑا ہوا اور پھر اس نے یہ بات ثابت کردی کہ تاریخ کے پورے دور میں ہمیشہ باطل پر حق کی فتح ہوئی ہے''۔[2] کشف المحجوب میں شیخ علی ہجویری نے صوفیانہ نظر سے صحابہ میں خلفاء راشدین کے بعد اہل بیت میں حضرت امام حسنؑ، امام حسینؑ، امام زین العابدینؑ، امام باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے احوال و اقوال و مناقب صوفیا کے امام کے بطور ذکر کیے ہیں۔ آپ امام حسینؑ کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''آپ (امام حسینؑ) محقق اولیاء میں سے اور اہلِ صفائے باطن کے قبلہ، کربلا کے شہید اور اہل طریقت آپ کے حال و سیرت کی درستی پر متفق ہیں۔ اس لیے کہ جب تک حق ظاہر تھا آپ حق کے تابع رہے اور امر حق مغلوب ہو کر گم ہونے لگا تو آپ نے تلوار سونت لی اور جب تک اپنی جان عزیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان نہ کردی آرام نہ کیا۔ رسول اسلامؐ کی بہت سی علامات آپ میں موجود تھیں جن میں آپ مخصوص تھے''۔[3] سیر اولاولیاء میں امیر خسرو مناقب حسینؑ کا ذکر یوں کرتے ہیں ''صلوٰۃ و سلام ہو امیر المومنین حضرت حسین بن علی بن ابی طالب پر کہ وہ آل محمدؐ کی شمع ہیں۔ تمام علائق سے چھٹکارا حاصل کیے ہوئے اور دشت کربلا کے شہید ہیں اور عالم ولا کے بادشاہ ہیں۔ وہ حق کے تابع تھے، جب تک حق ظاہر تھا لیکن جب حق پوشیدہ ہوگیا تو آپ نے تلوار کھینچی۔ یہاں تک کہ جب تک جان عزیز حق تعالیٰ کی راہ میں فدا نہ کردی، آپ چین سے نہیں بیٹھے''۔ آپ کے ارشادات میں ہے ''میں ڈراتا ہوں بھائیو! اپنے دین کو لازم پکڑو'' اس کے بعد وہ حکیم سنائی کا مدح حسینؑ میں لکھا قصیدہ نقل کرتے ہیں۔[4] اہلِ تصوف امام حسینؑ کی ولا میں پوری طرح سرشار ہیں۔ صوفیاء نے کبھی اپنے آپ کو کسی فرقہ مخصوص سے وابستہ نہیں کیا۔ کسی صوفی کے

۱- تاریخ عہد وسطی ص ۲۰۱ ۲- حسن عباس فطرت، گرز نامہ آفتاب، پونہ ۲۰۰۰ء، ص ۶۷-۶۹

۳- کشف المحجوب، ص ۷۵-۶۹ ۴- امیر خسرو، سیر الاولیاء مترجم اعجاز الحق قدسی، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۸۴-۸۲

ملفوظات میں یہ نہیں ملتا کہ ان کا تعلق کسی خاص فرقہ سے تھا۔ وہ اصولی طور پر فرقہ واریت کے قائل ہی نہ تھے۔ ان کی خانقاہیں اسلامی اتحاد کا بڑا قوی و مستحکم حصار تھیں جہاں باہمی اخوت اور ہمدردی کی پائیدار بنیادیں قائم ہوئی تھیں۔ؔ

علماء اسلام کا تعلق قرآن و حدیث، منطق اور شریعت و فقہ کی تعلیم و ترویج و اشاعت کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ان کا رابطہ صرف مسلم معاشرہ کے ساتھ ہی سابقہ پڑتا تھا اور وہ عام اہلِ ہند سے رابطہ نہ رکھتے تھے، لیکن صوفیا چونکہ ملتبغین اسلام تھے نیز انھیں کسی کی تکفیر و تفسیق سے کوئی تعلق نہ تھا، اس لیے وہ کسی کو برا نہ کہتے بلکہ سب اہل عالم کو بلا امتیاز مذہب و ملت خدا کا کنبہ سمجھتے تھے اور باہم اختلافات کو بڑھاوا دینے کی بجائے مشترک مالوفات کی تلاش میں رہتے تھے۔ سب کو عرفانِ الٰہی کی تعلیم دینے کے واسطے ان کے دروازے ہر کس و ناکس کے لئے کھلے تھے۔ ان کے یہاں اونچ نیچ اور چھوا چھوت کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ امن و آشتی اور مساوات انسانی کی تلقین کر کے اسلام کے اساسی اصولوں کو تقویت پہنچاتے تھے، ان کی مقدس زندگیوں کے اثر سے عوام کو اسلام کی طرف کشش و رغبت پیدا ہوتی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر صوفیاء ہی کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ ان صوفیاء کو ذاتی اغراض سے کوئی سروکار نہ تھا اس لیے عموماً امراء و ملوک بھی ان کی عزت و توقیر کرتے تھے اور ان کے لنگروں کے مصارف کے لیے اکثر روپیہ پیسے بھی دیتے تھے۔ ؔ۲

بقول پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہندوستان میں عزاداری حسینؑ کی روایت ۱۳ ویں صدی عیسوی سے ملتی ہے۔ اس کے قیام میں بعض صوفیاء کرام کا ہاتھ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس زمانہ سے صوفیاء نے ہندوستان میں خانقاہیں تو قائم ہی کیں مگر بعض صوفیا نے امام باڑے بھی تعمیر کیے۔ مندر اور مسجد دونوں کے دروازے دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے لیے بند تھے، اس کے برعکس خانقاہ اور امام باڑے کا مزاج ان سے مختلف تھا اور ان کے دروازے دوسرے مذاہب کے لوگوں کے لیے کھلے ہوتے تھے۔ اور وہ مزاج آج تک قائم ہے۔ ؔ۳

ہندوستان میں مشائخ چشت کو اہل بیت سے عقیدت و احترام تھا، اس کا اندازہ خواجہ معین الدین چشتی کی اس رباعی سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

شاہ است حسینؑ، بادشاہ است حسینؑ　　　دین است حسینؑ، دین پناہ است حسینؑ

۱- تاریخ عہد وسطیٰ، ص ۲۰۲　۲- عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، لاہور ۱۹۵۷ء، ص ۲۳۶　۳- تاریخ عہد وسطیٰ، ص ۲۰۰

سرداد نداد دست در دست یزید   حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسینؑ

اور خواجہ بختیار کاکی کی خانقاہ میں امام باڑے کی موجودگی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ مشائخ چشت اہلِ بیت اطہار سے کس قدر جذباتی وابستگی رکھتے تھے۔ دیوان شیخ جمال الدین ہانسوی میں موجود امام حسینؑ کی عزاداری میں لکھے مراثی پڑھے جاتے تھے۔ ایام عاشور میں مجالس کا انعقاد ہوا کرتا تھا اور ''مقتل حسینؑ'' نامی کتاب کی ان ایام میں زبردست مانگ تھی۔ ایک دفعہ امیر خسرو نے اپنے ایک دوست کو ماہ محرم میں اس کتاب کا اپنا ذاتی بوسیدہ نسخہ دینے سے انکار کردیا تھا۔[۱] اس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف امیر خسرو ہی نہیں بلکہ حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں بھی ایام عاشور میں حضرت حسینؑ سے متعلق مواعظ اور مناقب بیان کیے جاتے ہوں گے۔ قاضی منہاج السراج بھی ایام عاشورہ میں مناقب اہلِ بیت بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حلقۂ ارادت میں میر سید حسین خنگ سوار موجود تھے، جو شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے جن کا مزار آج بھی اجمیر کے قریب تاراگڑھ میں مرجع خلائق ہے۔ خواجہ معین الدین کی دوسری شادی ان ہی کے خاندان میں ہوئی تھی۔ میر سید حسین خنگ سوار اکثر خواجہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور محرمانہ صحبتیں برپا ہوتی تھیں۔[۲] اگر مشائخ چشت کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو مشائخ چشت کا اہل بیت سے تعلق واضح ہوجاتا ہے۔

مشائخ چشت کے اصلاحی پروگرام کا مرکزی نقطہ اور محور تعلیم اخلاق تھا۔ وہ اس کو سنت نبوی سمجھتے تھے اور دن رات اس کوشش میں رہتے تھے کہ انسان کے اخلاق ذمیمہ کو دور کرکے اس کی شخصیت کو جلا دی جائے۔ اخلاقی تعلیم کے سلسلہ میں مشائخ چشت کا اصرار خصوصاً اصلاح نیت، استقامت، توکل، عفو، ایثار دیانت داری، عیب جوئی سے پرہیز، تحمل، علم، ترک دنیا، تعمیر شخصیت پر مخصوص تھا۔[۳] واقعۂ کربلا کے پس منظر میں اگر ان تعلیمات کا تجزیہ کیا جائے تو وہ امام حسینؑ کی زندگی کا مرقع اور ان کی تعلیمات سے مستعار لی ہوئی نظر آئیں گی۔ کیونکہ تمام تر اخلاقی خوبیوں کے مجموعے کا نام امام حسینؑ ہے۔ مشائخ چشت کے نزدیک اچھا کردار، تلوار اور زبان سے زیادہ موثر تھا کیونکہ اس کی مقناطیسی قوت، اعتقاد و عمل میں انقلاب برپا کرسکتی ہے۔ دوسروں کو مسلمان بنانے سے پہلے خود مسلمان بنا

۱۔ خلیق احمد نظامی، سم آسپیکٹس آف ریلیجین اینڈ پولیٹکس ان انڈیا ڈیورنگ تھرٹینتھ سنچری، علی گڑھ ۱۹۶۱ء، ص ۲۹۸

۲۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، دہلی، ۱۹۹۰ء، ص ۲۰۹   ۳۔ تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۰۱

ضروری ہے۔ ایسے فرد کی محبت میں جو آئے گا، وہ خود مسلمان ہوجائے گا۔ اس تربیت کے لیے خانقاہ میں عزاداری حسینؑ سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ خانقاہ میں آنے والے دبے کچلے، پیشہ ور اور دستکار افراد کے سامنے جنھیں ضیاء الدین برنی کی زبان میں ارذال کہا جاتا تھا، اہلِ کربلا کے فضائل و مصائب بیان کیے جائیں اور انھیں اسلام کا فلسفہ عملی طور پر سمجھایا جائے کیونکہ عزا کے لغوی معنی صبر اور تعزیت ہیں۔ اسی لیے چشتی صوفیاء نے اپنی خانقاہوں میں کھچڑے یا میٹھے چاول کا استعمال بطور تبرک کیا اور یہ صرف اس لئے نہیں کیا کہ ان کی خانقاہوں میں ہندو یا غیر مسلم افراد بھی آتے ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ اس سے یہاں آنے والے لوگوں میں عزاء کا احساس بھی پیدا ہو۔ صوفیا کی ایسی ہی کاوشوں اور اعمال کے پیش نظر قاضی سید نوراللہ شوشتری نے اپنی تصنیف 'مجالس المومنین' میں تمام صوفیا کا مسلک شیعت قرار دیا ہے۔ کشمیر کے نامور صوفی میر سید علی ہمدانی کا مسلک اسی بنا پر طے کرپانا کافی مشکل امر ہے۔

اگر ہم امام حسینؑ کی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے مشائخ چشت کی اصلاحی کاوشوں کو دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ مشائخ چشت اپنے خلفاء و مریدین میں مکارم اخلاق پیدا کرنے کی بڑی کوشش کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے خلفاء و مرید، مہر و محبت، عجز و انکسار، ہمدردی و خلوص کی جیتی جاگتی تصویر ہوں۔ خلیق احمد نظامی کے لفظوں میں مصیبت زدہ غریب اس کی طرف دیکھے تو اس کے دل پر پھایہ سا لگ جائے، بات کرنے لگے تو ایسا محسوس ہو گویا پھولوں پر شبنم کی بارش ہو رہی ہے۔ لیکن اگر کسی جابر کا مقابلہ کرنا پڑے تو عجز و انکسار کا یہی مجسمہ پہاڑوں سے زیادہ مضبوط بن جائے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو خوف زدہ نہ کرسکے۔[۱] ظاہر ہے ایسے مثالی کردار کے نمونے امام حسینؑ اور اہلِ بیت سے بہتر اور کون ہوسکتے تھے۔ لہٰذا ان کے مناقب و فضائل کو نوزائیدہ مسلم سماج کے سامنے بیان کرنا ضروری تھا تاکہ اس سماج کی عملی و روحانی تربیت ممکن ہوسکے۔

واقعتاً صوفیاء اور مشائخ چشت کے اصلاح کے طریقے بڑے نفسیاتی تھے۔ انھوں نے اسلامی تعلیمات کو عوام الناس میں نفسیاتی طریقہ سے رواج دینے کی کوشش کی۔ ہندوستانی سماج میں مذہبی میلوں اور رسم و رواج کی ایک طویل روایت ہے جو ہندوستانی خمیر میں رچی بسی ہوئی ہے، لہٰذا صوفیاء نے بھی ان کے رسم و رواج کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ عوام الناس میں تزکیہ نفس کی

۱- تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۰۱

تعلیم ایامِ عاشورہ میں پیغام حسینؑ ابن علیؑ کے ذریعہ دی اور عوام الناس کو اس بھوک پیاس اوران اذیتوں کا احساس دلایا جو میدان کربلا میں اہلِ بیت و امام حسینؑ کے احباب پر گزری تھیں۔ یہ صوفیاء اور مشائخ چشت کا ہی کارنامہ تھا کہ انھوں نے ہندوستان میں دبے کچلے افراد کی تربیت اپنی خانقاہوں میں امام حسینؑ و اہل بیت کے حوالے سے اس زمانے میں کی جب حکومت کا کردار داغدار ہو چکا تھا۔ انھوں نے ان افراد کی تعلیم و تربیت اس طرح کی کہ یہی وہ تربیت یافتہ فراد تھے جو محمد بن تغلق کے عہد میں اعلیٰ عہدوں پر فائز نظر آتے ہیں۔ خانقاہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں بلاتفریق مذہب و ملت اور رنگ و نسل کوئی بھی آ سکتا تھا اور فیض حاصل کرسکتا تھا۔ بقول پروفیسر عزیز الدین حسین عزاداری امام حسینؑ کے مرکز کا نام امام باڑہ رکھا گیا، یہ قطعی طور پر ہندوستانی تھا کہ اس سے پہلے ایران اور دوسرے مسلم ممالک میں اس نام کا کوئی ادارہ نہ تھا۔ اس میں امامؑ کے ساتھ ایک ہندی لفظ باڑہ ملاکر امام باڑہ بنایا گیا تاکہ اس سے اس کا ہندوستانی مزاج جھلکے۔ اس کا نام اس زبان میں نہیں رکھا گیا کہ جس میں قرآن نازل ہوا یا جس زبان کو امام حسینؑ بولتے تھے، نہ فارسی نام رکھا گیا جبکہ یہی دو زبانیں مذہب اسلام اور اسلامی ثقافت سے قریب تر تھیں۔ یہ صوفیاء کی فکر کا نفسیاتی پہلو تھا، اگر باہر کے ناموں اور زبان سے ہندوستان میں کوئی مرکز بنایا جائے گا تو اس کی جڑیں ہندوستانی سماج میں گہری نہ ہوسکیں گی۔ خانقاہوں کی امام باڑوں کے دروازے بھی بلاتفریق مذہب و ملت سب کے لیے کھول دیے گئے یہ ہندوستان میں ایک نیا تجربہ تھا۔[۱]

واقعہ یہ ہے کہ صوفیاء عزاداری حسینؑ کے ذریعہ تبلیغ اسلام کر رہے تھے اس لیے کہ موروثی ملوکانہ نظام نے مسلمانوں میں حقیقی مساوات کو ختم کر دیا تھا۔ مساوات صرف مساجد میں دوران نماز ہی محدود ہوکر رہ گئی تھی، جبکہ صوفیاء نے ان خانقاہوں اور امام باڑوں میں لوگوں کو ایک جگہ بٹھا کر مسلمانوں میں تفریق کو ختم کر کے اسلامی مساوات و تعلیمات کی جڑوں کو مضبوط کیا جس کو مسلمانوں کے موروثی ملوکانہ نظام نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔[۲] بقول مولانا ابوالکلام آزاد ''بدعات و محدثات'' بنو امیہ کے مقابلہ میں سرفروشانہ اقدام عزیمت و فتح یاب مقامت و ثبات فی الحق والعدل کا جو ایک مخصوص مقام تھا، وہ بجز امام حسینؑ کے اور کسی کے حصے میں نہ آیا''۔[۳] صوفیاء نے اپنے مجلس خانوں میں اہلِ بیت اطہار کے مناقب اور ان کی قربانیوں کو نہ صرف یاد رکھا بلکہ اپنی زندگی کو عملی طور پر ان کے طرز پر

۱- تاریخ عہد وسطیٰ، ص ۲۰۵ ۲- ایضاً، ص ۲۱۹ ۳- مولانا ابوالکلام آزاد، تذکرہ، مرتبہ مالک رام، دہلی ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۲

ڈھالا بھی۔ شاید یہ بھی ایک وجہ تھی کہ مشائخ چشت نے سلاطین وقت سے عموماً اپنا تعلق جوڑنے سے احتراز کیا۔

سید حسن عسکری رقمطراز ہیں ''احناف، اہلِ سنت اور صوفیائے کرام کو اہل بیت اطہار اور بالخصوص، امام حسینؑ سے بے حد اور سچی عقیدت تھی، حتیٰ کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی مصنف تحفۂ اثنا عشریہ جیسے نقشبندی سلسلہ کے جلیل المرتبت بزرگ کے قلم کو بھی اس موضوع پر جنبش ہوئی اور ''سرالشہادتین'' لکھ کر آپ نے آنسو بہائے اور دوسروں کو بھی غمناک کیا۔[۱]

یہ واقعۂ کربلا کا عالمگیر اثر ہی تھا کہ صوفیاء نے عوام الناس میں شکنجۂ ظلم سے آزادی حاصل کرنے کی اخلاقی قدروں کو پروان چڑھانے نیز دلوں پر حکومت کرنے اور ذلت کی زندگی سے عزت کی موت کو گلے لگا کر سرخ رو ہونے کا جذبہ پیدا کیا، کیونکہ بقول مولانا محمد علی جوہر:

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

۱- سید حسن عسکری، ہندوستان کے عہد وسطیٰ پر مقالات، پٹنہ ۱۹۹۵ء ص ۳۴۸